اسلام میں عورت کا مقام اور میاں بیوی کے باہمی معاملات

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

دینی لحاظ سے اسلام میں مرد اور عورت کے حقوق میں کوئی فرق نہیں' سوائے ان پہلوؤں کے جن کی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازخود تصریح فرما دی۔ مرد کا نیکی کرنے کا ثواب اور گناہ کا وبال اس کے لیے ہے' جبکہ عورت کی نیکی کا اجر اور گناہ کی سزا اس کے لیے ہے۔ عورت دینی اور اخلاقی لحاظ سے مرد کے تابع نہیں ہے اور مرد و عورت دونوں اپنے افعال و اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (آل عمران:۱۹۵)

''میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں' خواہ وہ (عمل کرنے والا) مرد ہو خواہ عورت' تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو۔''

یہی حقیقت سورۃ الاحزاب میں بڑے خوبصورت انداز سے آئی ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾﴾

''بے شک جو مرد اور عورتیں مسلمان ہیں' ایمان والے اور ایمان والیاں ہیں' فرمانبردار ہیں' راست گو اور راست باز ہیں' اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں' اور اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں' اور صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں' اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں' اور عصمت مآب ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں' اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

اسی طرح سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

’’مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے‘ اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو‘ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔‘‘

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نیکی اور بدی کمانے میں عورت اور مرد بالکل آزاد ہیں‘ مرد کی کمائی سے عورت اور عورت کی کمائی سے مرد حصہ دار نہ ہوگا۔ اس آیت پر خصوصی توجہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ یہاں ’کسب‘ کے لفظ سے بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ معاشی جدوجہد کے لیے آیا ہے‘ جیسے مرد کو معاشی میدان میں تگ و دو کی آزادی ہے‘ ویسے ہی عورت بھی ملازمت کرنے میں آزاد ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لفظ ’کسب‘ قرآن پاک میں دنیوی رزق کمانے کے لیے ایک آدھ بار ہی آیا ہے‘ اس کا اکثر استعمال نیکی اور بدی کمانے کے مفہوم میں ہے۔ دُنیوی رزق کے لیے قرآن کی اصطلاح ’فضل‘ ہے ’کسب‘ نہیں۔

تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے عورت کو مستقل قانونی تشخص دیا ہے بایں طور کہ اسے ذاتی حق ملکیت بھی حاصل ہے اور اس پر تصرف کا اختیار بھی۔ اسلام نے عورت کو پستی سے اٹھا کر کس بلندی تک پہنچایا ہے‘ اس کے لیے درج ذیل احادیث بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔ ارشادِ رسول اللہ ﷺ ہے:

((حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ)) (۱)

’’دنیا کی چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب عورت اور خوشبو ہے۔‘‘

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيْفَيْنِ: اَلْيَتِيْمِ وَالْمَرْاَةِ)) (۲)

’’اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں بالکل کوتاہی نہ کرنا): ایک یتیم اور دوسری عورت۔‘‘

دینی اور اخلاقی لحاظ سے مرد اور عورت کی مساوات کے مقابلے میں بعض قانونی پہلوؤں سے یہ مساوات برقرار نہیں رہتی۔ اس ضمن میں دو نکات بالکل واضح ہیں۔ اسلام کے قانونِ وراثت میں عورت کا حق مرد کے مقابلے میں نصف ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ﴾ (النساء: ۱۱)

’’اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔‘‘

اس کا سبب بھی بڑا واضح ہے کہ اسلام میں معاشی کفالت کا سارا بوجھ مردوں کے کندھوں پر ہے‘ جبکہ عورت کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے قانونِ شہادت (گواہی) کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس بارے میں قرآنی حکم ہے کہ اس کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ گویا دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوگی۔ سورۃ البقرۃ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ﴾ (آیت ۲۸۲)

''اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، پھر اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو، تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔''

یہاں ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی حکمت بھی واضح کر دی گئی۔ اسلوبِ قرآنی سے واضح ہو رہا ہے کہ نسیان (بھول چوک) کا مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے، اگر ایک بھول بھی جائے تو دوسری یاد کرا دے۔

اب مرد اور عورت کے حوالے سے ہر میدان میں یکساں مساوات کے علمبرداروں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جس حقیقت کا ''دین ملا'' کہہ کر وہ مذاق اڑا رہے ہیں، کہیں یہ بات قرآن کے واضح احکام سے ٹکراتے ہوئے خود ان کے ایمان و یقین کو تو شدید خطرہ میں نہیں ڈال رہی ع

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں!

اور سورۃ الاحزاب میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾﴾

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ واضح گمراہی میں پڑ گیا۔''

عورت کی مختلف حیثیات کے بارے میں قرآنی تعلیمات

اب دیکھئے، عورت کی مختلف حیثیتوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے حق کے ساتھ ہی والدین کے حق کا ذکر کیا ہے، مثلاً سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا......﴾ (آیت ۸۳)

''اور یاد کرو بنی اسرائیل سے جب ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا......''

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ﴾ (آیت ۲۳)

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اُس کی، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

درج بالا آیات کا منشا یہ ہے کہ انسان پر مخلوقات میں سے سب سے بڑھ کر حق والدین کا ہے، لیکن اگر ماں باپ بھی اسے شرک پر مجبور کریں تو ان کی بات قبول نہیں کی جائے گی، کجا کہ کسی اور کے کہنے پر ایسا کیا جائے۔ الفاظ یہ ہیں: ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ ......﴾ (لقمٰن: ۱۵) ''اور اگر دونوں تجھے مجبور کرنے کے لیے اپنا پورا زور بھی لگا دیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے......''

اس سے معلوم ہوا کہ کم تر دباؤ یا دونوں میں سے ایک کا زور دینا تو بدرجہ اولیٰ رد کرنے کے لائق ہے۔ اس کے ساتھ ﴿مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (لقمٰن:۱۵) ''جسے تو میرے شریک کی حیثیت سے نہیں جانتا'' کا فقرہ بھی قابلِ غور ہے یعنی ان کی بات نہ ماننے کی ایک معقول دلیل دی گئی ہے۔ والدین کا یہ حق تو بے شک ہے کہ اولاد ان کی خدمت کرے' ان کا ادب واحترام کرے اور جائز باتوں میں ان کی اطاعت بھی کرے۔ لیکن یہ حق انہیں حاصل نہیں کہ آدمی علم اور دلیل کے خلاف ان کی اندھی تقلید بھی کرے۔ اگر اولاد یہ جان لے کہ والدین کا مذہب غلط ہے تو انہیں اسے چھوڑ کر صحیح مذہب اختیار کرنا چاہیے اور ہر طرح کا دباؤ ڈالنے پر بھی ان کے گمراہ طریقے کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ جب والدین سے یہ معاملہ ہے تو پھر دنیا کے ہر شخص کے ساتھ یہی معاملہ ہونا چاہیے۔ کسی بھی شخص کی تقلید جائز نہیں جب تک یہ واضح علم نہ ہو کہ وہ راہِ حق پر ہے اور قرآن وسنت کے خلاف نہیں۔

عورت بحیثیت ماں

سورۂ لقمان میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ﴾ (آیت۱۴)

''اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے (اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر) اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے' (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی) کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ۔''

سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ﴾ (آیت۱۵)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی دشواری سے اس کو جنا۔ اور اس کو پیٹ میں رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

ان آیات کے ترجمے سے ہی ماں کا حق باپ کے مقابلے میں فائق لگ رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے اس کی مزید تشریح ہوتی ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ: ((اُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اُمُّكَ)) قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اَبُوْكَ)) (۳)

''میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیری ماں''۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: ''تیرا باپ۔''

گویا باپ کے مقابلے میں ماں کا حق کم از کم تین گنا زیادہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ)) (٤)

''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام قرار دی ہے۔''

ایک مشہور حدیث ہے:

((اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ)) (٥)

''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں تلے ہے۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ جَاھِمَۃَ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِیْرُکَ فَقَالَ: ((ھَلْ لَّکَ مِنْ اُمٍّ؟)) قَالَ نَعَمْ، قَالَ: ((فَالْزَمْھَا فَاِنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ رِجْلَیْھَا)) (٦)

''حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور کہنے لگے: یارسول اللہ میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پھر اس کی خدمت میں رہو' اس (ماں) کے قدموں تلے جنت ہے۔''

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ کَرِہَ لَکُمْ ثَلَاثًا: عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعَ وَھَاتِ)) (٧)

''اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں انتہائی ناپسندیدہ قرار دی ہیں: ماؤں کی نافرمانی' لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا اور والدین کے حقوق نہ ادا کرنا۔''

دورانِ حمل اور وضع حمل میں جو خاص تکلیف عورت اٹھاتی ہے' مَردوں کے لیے اس کا تصور بھی سوہانِ روح ہے۔ پھر عورت کے ماں کے علاوہ بیوی' بیٹی اور بہن کے سب رشتے سراپا محبت ہیں' اسی لیے اس کا حق بھی مرد کی نسبت بڑھایا گیا ہے۔ اسی طرح خالہ کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ)) (٨)

''خالہ ماں کی طرح ہے۔''

عورت بحیثیت بہن

عورت کا یہ روپ بھی بہت محترم ہے۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی بہن بمنزلہ ماں ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث نبویؐ کے مفاہیم میں عورتوں کا مقام مَردوں کے لیے بہن کا سا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلنِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ)) (٩)

''عورتیں مردوں کی بہنیں ہی ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ عنہا جب کبھی ملاقات کے لیے آتیں تو حضور کریم ﷺ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھاتے۔ اسلاف کے ہاں کہیں بھی بہن

کی ناقدری‘ حق تلفی‘ وراثت سے محرومی یا زیادتی کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ بدقسمتی سے آج ہمارے ہاں یہی رشتہ سب سے زیادہ مظلوم ہو کر رہ گیا ہے۔

بچپن سے ہی گھروں میں بھائیوں کی نسبت بہنوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں بھائیوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور بہنوں کو پیچھے دھکیل کر احساسِ کمتری میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اوائل عمر میں ہی جب لڑکا یہ سبق سیکھتا اور لڑکیوں کی حق تلفی ہوتے دیکھتا ہے‘ تو بڑے ہو کر وہ بھی یہی کچھ کرتا ہے۔ بہنوں کی بے عزتی‘ ان کے ساتھ مختلف قسم کی زیادتی اور سب سے بڑھ کر والدین کی وراثت سے مختلف حیلوں سے ان کی محرومی یا نام نہاد معافی‘ یہ سب اسی صورت حال کا نتیجہ ہے۔ اس سے بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ ساری صورت حال والدین کے رویوں اور گھریلو ناہمواریوں کا نتیجہ ہے۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ لڑکا اگر اللہ کی نعمت ہے تو لڑکی بھی اسی نعمت کا حصہ‘ اللہ کی رحمت اور گھر کی رونق ہے۔ جس گھر میں بھائیوں کے ساتھ بہن نہ ہو‘ وہاں کی رونق مفقود ہوتی ہے اور بھائیوں کی شخصیت کے کچھ پہلو نامکمل رہ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں دینی تربیت میں بھی کمی لگتی ہے کہ بہنوں کو کماحقہ مقام نہیں دیا جاتا۔

قرابت داروں کے حقوق سے متعلق سورۃ النساء میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ﴾ (آیت ۱)

’’اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے (باہمی) سوال کرتے ہو اور (ڈرتے رہو) قرابت داروں (کے حقوق کے بارے) میں بھی۔‘‘

قرابت داروں میں بہن‘ بھائی سمیت والدین کے حوالے سے تمام نزدیکی رشتے اور رشتہ دار آ جاتے ہیں۔ ان تمام کے حقوق ادا کرنے اور ان سے صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔ قرابت داروں اور خصوصاً بہن کے حوالے سے درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ((اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ))(۱۰)

’’کسی محتاج کی مدد کرنا صدقہ ہی ہے اور کسی قرابت (رشتہ) دار کی مدد دو نیکیوں پر مشتمل ہے: صدقہ اور صلہ رحمی۔‘‘

(۲) عَنْ طارق الْمُحَارِبِيِّ قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ، يَخْطُبُ وَيَقُوْلُ: ((يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَا بِمَنْ تَعُوْلُ: اُمَّكَ وَاَبَاكَ، وَاُخْتَكَ وَاَخَاكَ، ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ))(۱۱)

’’حضرت طارق المحاربی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے: ’’دینے والا ہاتھ اوپر والا ہوتا ہے‘ اور تم (خرچ کرنے میں) ان سے ابتدا کرو جو تمہارے زیر کفالت ہیں۔ اپنے ماں باپ‘ اور اپنے بہن بھائی‘ پھر اپنے قریبی رشتہ دار۔‘‘

(۳) ((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثَ اَخَوَاتٍ اَوْ بِنْتَانِ اَوِ اخْتَانِ فَاَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ

فَلَهُ الْجَنَّةُ)) (١٢)

''جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کا نکاح کر دیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔''

(۴) ((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ اَوِ ابْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللّٰهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ)) (١٣)

''جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں تھیں اور اس نے اچھی طرح ان کی پرورش کی اور ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرتا رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔''

(۵) ((مَنْ عَالَ ابْنَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ اُخْتَيْنِ اَوْ ثَلَاثَ اَخَوَاتٍ حَتّٰى يَمُتْنَ اَوْ يَمُوْتُ عَنْهُنَّ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَاَشَارَ بِاُصْبُعَيْهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى)) (١٤)

''جس بندے نے دو بیٹیوں یا تین بیٹیوں یا دو بہنوں یا تین بہنوں کا بار اٹھایا' یہاں تک کہ وہ وفات پا گئیں یا وہ خود فوت ہو گیا تو میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح (قریب) ہوں گے' اور آپؐ نے اشارہ فرمایا اپنی دو انگلیوں (شہادت اور درمیان والی) سے۔''

(۶) ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ)) (١٥)

''جو آدمی حقوقِ قرابت کی رعایت نہیں کرتا' وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

عورت بحیثیت بیٹی

بعثتِ نبویؐ سے قبل کا عربی ماحول ذہن میں لایئے کہ بیٹی کی ولادت پر باپ کا کیا حال ہوتا تھا' کس طرح وہ لوگوں سے اپنا چہرہ چھپائے پھرتا تھا اور بالآخر وہ بیٹی کو باعث ننگ و عار سمجھ کر کس طرح زندہ درگور کر دیتا اور اس پر اظہارِ فخر کرتا تھا۔ قرآن کریم میں اس پر اس طرح پکڑ ہوئی ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾﴾ (التکویر)

''(قیامت کے دن کیا حال ہوگا) جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟''

اس آیت کے انداز میں شدید ترین غضب ناکی پائی جاتی ہے۔ بیٹی کو زندہ درگور کرنے والے ماں باپ اللہ کی نگاہ میں ایسے قابلِ نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بیٹی کو کیوں قتل کیا؟ بلکہ اس معصوم بچی سے سوال ہوگا کہ تو آخر کس جرم میں ماری گئی؟ پھر وہ اپنی داستان سنائے گی کہ کس طرح اس پر ظلم ہوا اور اسے زندہ گاڑا (دفن کیا) گیا۔

صاحبِ تفہیم القرآن کے مطابق اس مختصر آیت میں دو بڑے مضمون سمیٹے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اہلِ عرب کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جاہلیت نے ان کو کس اخلاقی پستی میں دھکیل دیا کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں ہی زندہ درگور کرنے لگے۔ دوسرے اس میں آخرت کے لازمی ہونے کی ایک واضح دلیل پیش کی گئی ہے کہ جس لڑکی کو

زندہ دفن کیا گیا‘ آخر کہیں تو اس کی دادرسی ہونی چاہیے اور جن ظالموں نے ایسا سخت ظلم کیا‘ کہیں تو ان کی پکڑ ہو۔

جاہلی عرب میں مختلف وجوہ کی بنا پر لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ایک تو معاشی خستہ حالی تھی کہ کمانے والے کم اور کھانے والے زیادہ ہوں گے۔ دوسرے عام بدامنی کی وجہ سے بیٹوں کو اس لیے پالا جاتا کہ جتنے زیادہ ہوں گے‘ اتنے ہی حمایتی اور مددگاروں میں اضافہ ہوگا۔ تیسرے عام بدامنی کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ دشمن قبیلہ جب چھاپا مارتا تو جتنی لڑکیاں ہاتھ لگتیں‘ انہیں یا تو لونڈیاں بنا کر رکھتے یا پھر بیچ ڈالتے۔

اسلام کی بے شمار برکتوں میں ایک بڑی برکت یہ ہے کہ اس نے نہ صرف عرب سے اس سنگدلانہ اور قبیح رسم کا خاتمہ کیا‘ بلکہ اس تخیل کو بھی مٹایا کہ بیٹی کی پیدائش کوئی حادثہ یا مصیبت ہے‘ جسے بادلِ نخواستہ برداشت کیا جائے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ بیٹیوں کی پرورش‘ عمدہ تعلیم و تربیت اور مناسب جگہ شادی بہت بڑی نیکی اور اجر کا کام ہے۔ درج ذیل احادیث پر غور کریں:

(۱) ((مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کُنَّ لَہٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ)) [۱۶]

”جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے‘ تو یہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔“

(۲) ((مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَا وَھُوَ وَضَمَّ اَصَابِعَہٗ)) [۱۷]

”جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا‘ یہ فرما کر حضور ﷺ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ دیا۔“

(۳) ((مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَھُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَھُنَّ وَرَحِمَھُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَھُنَّ اللّٰہُ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوِ اثْنَتَیْنِ؟ قَالَ: ((اَوِ اثْنَتَیْنِ)) حَتّٰی لَوْ قَالُوْا: اَوْ وَاحِدَةً لَقَالَ: ((وَاحِدَةً)) [۱۸]

”جس نے تین بیٹیوں یا بہنوں کی پرورش کی‘ ان کو اچھا ادب سکھایا اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا‘ یہاں تک کہ وہ اس کی مدد کی محتاج نہ رہیں‘ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا“۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اور دو؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اور دو بھی“۔ حدیث کے راوی (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگ اس وقت ایک کے بارے میں پوچھتے تو حضور ﷺ اس کے بارے میں بھی یہی فرماتے۔“

(۴) ((مَنْ کَانَتْ لَہٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْھَا وَلَمْ یُھِنْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَہٗ عَلَیْھَا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّةَ)) [۱۹]

”جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے‘ نہ ذلیل کر کے رکھے‘ نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے‘ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔“

(۵) ((مَنْ کَانَ لَہٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَیْھِنَّ وَاَطْعَمَھُنَّ وَسَقَاھُنَّ وَکَسَاھُنَّ مِنْ جِدَتِہٖ کُنَّ لَہٗ حِجَابًا

مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲۰)

''جس کے ہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے ان کو اچھا کھلائے پلائے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے' وہ قیامت کے دن اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔''

(۶) ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ فَيُحْسِنُ اِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ اِلاَّ اَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ)) (۲۱)

''جس مسلمان کے ہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے (پالے پوسے)' وہ اسے جنت میں پہنچائیں گی۔''

(۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُ يَاسُرَاقَةُ ((اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَعْظَمِ الصَّدَقَةِ)) قَالَ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ)) (۲۲)

''نبی اکرم ﷺ نے سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ (یا فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ضرور بتائیے یارسول اللہ! فرمایا: ''تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا کوئی اس کے لیے کمانے والا نہ ہو (تو تو اس کا خیال کرے اور اس پر خرچ کرے)۔''

سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ﴾ (آیت ۵۹)

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی اور کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خوف کا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس خبر کے بعد کسی کو کیا منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے!''

یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹے دیے بھی تو بالکل نو عمری میں واپس لے لیے۔ اس میں بھی حکمت اور ان لوگوں کے لیے مرہم ہے جن کو اللہ نے بیٹیوں سے نوازا ہو اور بیٹے نہ دیے ہوں۔ حضور ﷺ اپنی بیٹیوں کے لیے بِضْعَةٌ مِّنِّيْ یعنی 'میرے جگر کا ٹکڑا' کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ خصوصاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ شادی کے بعد جب تشریف لاتیں تو حضور ﷺ کھڑے ہو کر ان کے لیے جگہ چھوڑ دیتے' اپنی چادر بچھا کر اس پر ان کو بٹھاتے۔ آئیے سوچیں کہ آج ہم میں سے کون اپنی بیٹی کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ اسلام میں بیٹی کے مقام کا تقابل مغربی تہذیب سے کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں بالغ ہونے پر بیٹیوں کی سرپرستی ختم کر دی جاتی ہے۔ وہ خود کمائیں' کھائیں اور مختلف تجربے کرتی ہوئی شوہر تلاش کرتی پھریں۔ والدین کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس سے وہاں جنسی گراوٹ اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

عورت بحیثیت بیوی

اسلام میں قانونی لحاظ سے اولاد باپ کی ہے لیکن حسن سلوک کے لحاظ سے ماں کو تین درجے فوقیت حاصل ہے۔ یہی صورت حال عائلی نظام میں شوہر اور بیوی کے حوالے سے ہے۔ قانون میں شوہر کو بیوی پر قوام (نگہبان‘ محافظ‘ حاکم‘ کفیل) بنایا گیا ہے۔ گویا اس لفظ کا صحیح مفہوم یوں ہوگا کہ وہ شخص جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو صحیح اور درست طور پر چلانے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرنے اور اس کی احتیاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ﴾ (آیت ۳۴)

’’مرد عورتوں پر قوام ہیں۔‘‘

اس کے ساتھ اخلاقی سطح پر حضور پاک ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی انتہائی تاکید کی ہے۔ اس کے ضمن میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ)) (۲۳)

’’دنیا برتنے کی چیز ہے اور اس دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔‘‘

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ خُلُقًا)) (۲۴)

’’کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو‘ اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں (بیویوں) کے حق میں بہترین ہوں۔‘‘

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے‘ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ)) (۲۵)

’’(لوگو! جان لو کہ) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور (جان لو کہ) تم میں سے اپنے گھر والوں سے بہترین حسن سلوک کرنے والا میں خود ہوں۔‘‘

جبکہ یہ علیحدہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے مسلمانوں کو گھر میں مرد کی حاکمیت کا تو خوب احساس رہتا ہے مگر عموماً عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کو وہ بالکل ہی بھلائے بیٹھے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ یہی چیز ہمارے بگاڑ اور اخروی پکڑ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ یہ تعلیم تو ہر جگہ دی جاتی ہے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

’’بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیات میں بہترین نمونہ ہے۔‘‘

لیکن اس بات کو ہر لحاظ سے بالکل بھلا دیا گیا کہ عورتوں بالخصوص بیویوں کے حقوق کیا ہیں۔ اس کا ذکر تک کرنا

بھی ہمیں گوارا نہیں رہا‘ مبادا کہ آئینے میں اپنے ہی چہرہ پر نظر پڑ جائے۔ سیرتِ مطہرہ سے آپ کوئی ایک مثال بھی پیش کر دیں کہ دینی تعلیمات کو چھوڑ کر حضور ﷺ نے کبھی ذاتی حوالے سے کسی زوجہ محترمہ کی کوئی سرزنش کی ہو‘ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ آج گھروں میں داخل ہوتے ہوئے ہمارا پہلا کام ہی یہی ہوتا ہے۔ اس صورت میں کسی ردِعمل کے ذمہ دار بھی ہم خود ہوں گے۔ اسی طرزِ عمل سے ہم مخالفین اسلام کو اعتراض کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

ازواج کے ساتھ برتاؤ کے حوالے سے درج ذیل احادیث بھی ملاحظہ کریں:

(۴) ((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ)) (۲۶)

’’(اے لوگو!) اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو‘ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے نکاح میں لیا ہے اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو‘ وہ اس کو وہاں آ کر بیٹھنے کا موقع نہ دیں۔ پس اگر ایسی غلطی کریں تو ان کو (بطور تنبیہ) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ شدید اور سخت نہ ہو‘ اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے سے ان کے کھانے پینے اور کپڑے کا بندوبست کرنا ہے۔‘‘

(۵) ((اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ)) (۲۷)

’’جو تو کھائے‘ اسے (بیوی کو) بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور نہ اسے برا بھلا کہے‘ اور اس سے (اگر) علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کرے۔‘‘

(۶) ((وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) (۲۸)

’’اور بے شک تمہاری زوجہ (بیوی) کا تم پر حق ہے۔‘‘

(۷) ((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ)) (۲۹)

’’کوئی مؤمن (شوہر) اپنی مؤمنہ (بیوی) سے نفرت نہ کرے‘ اگر اسے اس کی ایک عادت پسند نہیں تو دوسری عادتیں پسندیدہ ہوں گی۔‘‘

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ تجرد کی زندگی گزارنا سنتِ رسولؐ کے مطابق نہیں ہے اور جو بات اُسوۂ حسنہ کے خلاف ہو‘ اس میں فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔

مرد کی قوامیت اور اس کی وجوہات

البتہ یہ ضرور ہے کہ خاندان کے ادارے کے استحکام کے لیے مرد کو ایک گونہ فضیلت دے کر قوام (حاکم‘ بااختیار) بنایا گیا ہے۔ دراصل خاندان بھی ایک انتظامی ادارہ ہے اور کسی بھی انتظامی ادارے میں مساوی

اختیارات کے حامل دو سربراہ نہیں ہو سکتے۔ اگر بالفرض بنا دیے جائیں تو وہ ادارہ تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ پورے انسانی تمدن میں ایسی کوئی مثال نہیں۔ اب اگر مقصد استحکامِ خاندان ہے کہ اس کے بغیر معاشرے کا مستحکم ہونا ممکن نہیں، تو پھر لامحالہ شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کو برتری دینی ہوگی۔ تاہم برتری کے گھمنڈ سے منع کیا گیا ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ تین وجوہات کی بنا پر یہ برتری اور اختیار شوہر کو حاصل ہے۔

پہلی وجہ: اسلامی شریعت کا بنیادی خاکہ سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے۔ وہاں آیت ۲۲۸ کے آخری حصے میں یہ بات سامنے آتی ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾﴾ ''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مَردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مَردوں کو ان پر ایک درجہ (ترجیح کا) حاصل ہے۔ اور اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔'' اس میں حقوق و فرائض کا ایک توازن بھی سامنے آ گیا اور مرد کی ترجیح، فضیلت اور درجہ بندی بھی سامنے آ گئی۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی ہوگئی کہ حقوق و فرائض کی صحیح ادائیگی کی نگرانی کے لیے ایک غالب اور حکیم ہستی بھی موجود ہے۔

اسی طرح سورۃ النساء میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (آیت ۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔''

یہ سمجھ لیں کہ قوام، لفظ قائم سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کی وجہ سے قائم (کھڑا ہونے والا) کے مفہوم میں بے پناہ وسعت سما گئی ہے۔ اس میں محافظت اور حاکمیت کی حیثیت سے کھڑا ہونے کے معنی بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اور اس سے مرد کی حیثیت نگران، نگہبان اور حاکم کی بھی قرار پائی گئی ہے۔ ع نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد!

اس قوامیت کی ایک بنیاد بھی خالقِ کائنات نے یہاں واضح کر دی، وہ تخلیقی فضیلت ہے جو قدرت نے مردوں کو عورتوں پر دی ہے۔ انہیں جسمانی قوت، توانائی اور بھاگ دوڑ کی صلاحیت عورتوں کی نسبت زیادہ دی گئی ہے۔ مزید برآں ان میں اختراع و ایجاد کا جوہر، حکمرانی و جہاں بانی کا حوصلہ اور ولولہ نیز معاشی جدوجہد اور محنت و کوشش کا مادہ بڑھ کر ہے۔ گویا فاعلیت میں مرد عورت سے آگے ہے۔ انہی اوصاف کی بنیاد پر اسے خاندان کے ادارے کا حاکم اور محافظ بنایا گیا ہے۔ خاندان کے دینی اور اخلاقی معاملات کی نگرانی بھی اس کے سپرد کی گئی ہے۔

سورۃ التحریم (آیت ۶) میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ ''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے''۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) ((وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ)) (۳۰)

''اور مرد اپنے اہل و عیال پر نگران ہے اور وہ اپنی رعیت میں اپنے عمل پر (اللہ کے سامنے) جواب دہ ہے۔''

اس طرح مشہور حدیث ہے:

(۲) ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (۳۱)

''تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرہ اختیار واثر میں) راعی (نگران ونگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں (اللہ تعالیٰ کے ہاں) جواب دہ ہے۔''

اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(۳) ((لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمُ امْرَأَةً)) (۳۲)

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے اپنا حاکم عورت کو بنالیا۔''

خدائے بزرگ و برتر نے اگر مردوں کو ان پہلوؤں سے نوازا ہے تو عورتوں کو بھی چند دوسرے پہلوؤں سے مالا مال کیا ہے۔ ان میں مرد کی تخلیق وایجاد کے ثمرات ونتائج کو سنبھالنے کا سلیقہ اور ہنر عطا فرمایا ہے۔ انہیں گھر بنانے اور بسانے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ ان میں گھر گرہستی کے کاموں' بچوں کی پرورش ونگہداشت اور گھریلو امور سے مناسبت رکھی ہے۔ خاندان اور گھر کی اندرونی تنظیم میں انہیں حاکم کی ملکہ کا مقام دیا ہے۔ کسب معاش اگر خاوند کی ذمہ داری ہے تو اس کا مناسب انتظام کرنا بیوی کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ((اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهَا)) (صحيح البخاری) ''عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور وہ اپنے دائرہ عمل میں اس کے لیے جواب دہ ہے''۔ یہ خالق کائنات کا کمال ہے کہ اس نے مرد میں اگر فاعل اور فعالیت کی صلاحیت رکھی ہے تو عورت کو بھی منفعل وانفعال کی اہلیت سے نوازا ہے۔ دونوں اس نظامِ دنیا کو چلانے کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ اب اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے دائرۂ کار اور حدودِ عمل میں بے جا مداخلت کریں گے تو پھر تمدن میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگا۔ اسی کے مہلک نتائج انسان نے پہلے بھی بھگتے ہیں اور اب بھی بھگت رہا ہے۔ ایسے مردوں اور عورتوں پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے جو ایک دوسرے کی نقالی کرتے ہیں:

((لَعَنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ))(۳۳)

''(حضور ﷺ) نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مَردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''

اسی بارے میں ایک دوسری روایت ہے:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ))(۳۴)

''رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔''

دوسری وجہ : مرد کو عورت پر قوام بنانے اور فضیلت حاصل ہونے کی دوسری وجہ سورۃ النساء کی ماقبل بیان کردہ آیت کے آگے ان الفاظ میں سامنے آئی ہے: ﴿وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور یہ (قوامیت اور فضیلت) اس سبب اور بنا پر (بھی ہے) کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔ آیت کا یہ حصہ اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ گھر کی کفالت اور بیوی بچوں کا نان ونفقہ مرد (شوہر) کے سر پر ہے۔ عورت پر قطعاً یہ بار نہیں ڈالا گیا۔ اگر

عورت کو ماں باپ کی طرف سے وراثت ملی ہے یا کوئی جائیداد اس کی ملکیت میں ہے‘ تو عورت اسے گھر میں خرچ کرنے کی شرعاً پابند نہیں اور نہ ہی مرد (خاوند) اس کی اجازت کے بغیر اس میں سے زبردستی کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ شادی میں مہر شوہر ادا کرتا ہے‘ دعوتِ ولیمہ کرنا لڑکے والوں کی ذمہ داری ہے‘ تمام سامانِ امورِ خانہ داری کی فراہمی بھی مکمل طور پر لڑکے اور اس کے خاندان والوں پر لازم ہے۔ لڑکی والے ہر لحاظ سے بری ہیں۔ اگر اس حوالے سے آج لڑکی والوں پر جہیز اور طعام بارات وغیرہ مختلف بوجھ ہیں تو وہ بالکل ہمارے خود ساختہ ہیں‘ اسلام کا اس سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

اب دو وجوہات جمع ہوگئی ہیں۔ ایک تخلیقی تفضیل ہے جو اللہ نے مرد کو دی ہے اور اس کی فطرت میں مضمر ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلام نے جو عائلی نظام بنایا ہے‘ اس میں کمائی اور معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کاندھوں پر ہے‘ اس حوالے سے عورت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے مرد اور عورت کو علیحدہ علیحدہ مقام اور تشخص دیا ہے‘ اسی کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنے میں ہماری دنیوی اور دینی کامیابی ہے۔

سورۃ النساء کی اس آیت میں آگے واضح انداز میں عورت کی رہنمائی فرمادی گئی کہ مرد کی قوامیت کے پیش نظر اس کا صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ﴾ (آیت ۳۴) ’’پس نیک بیبیوں کو سزاوار ہے کہ وہ فرمانبرداری کرنے والی اور مَردوں کے پیچھے ان کے حقوق اور رازوں کی حفاظت کرنے والی بنیں‘ بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے۔‘‘

فَالصّٰلِحٰتُ کی وضاحت حضور ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

((اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ اِذَا نَظَرَ اِلَیْھَا سَرَّتْہُ وَاِذَا اَمَرَ اَطَاعَتْہُ وَاِذَا غَابَ عَنْھَا حَفِظَتْہُ))(۳۵)

’’نیک عورت (بیوی) وہ ہے کہ (اس کا شوہر) جب اسے دیکھے تو مسرور ہو جائے‘ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اگر کہیں باہر جائے تو وہ اُس کی غیر حاضری میں (اپنی عصمت اور اس کے مال کی) حفاظت کرے۔‘‘

گویا قرآن پاک کی روشنی میں نیک اور صالح بیویاں وہ ہیں جو اول قٰنِتٰت یعنی شوہر کی فرمانبردار ہوں۔ اللہ اور رسول کے احکامات کے دائرے کے اندر شوہر کا حکم ماننا بیوی پر فرض ہے۔

بیوی کا دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ حافِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ ہو۔ اس اسلوب میں بڑی جامع باتیں آ گئی ہیں۔ اس میں اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ شوہر کی عزت وناموس بھی شامل ہوگئی ہے۔ شادی نہ ہونے تک عورت کی آبرو اور اس کی ذاتی اور اس کے خاندان والوں کی آبرو تھی۔ رشتہ ازدواج کے بعد اضافی طور پر اب اس کے شوہر کی عزت وناموس بھی شامل ہوگئی ہے۔

اسی طرح سے نیک بیویوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے رازوں کی بھی حفاظت کریں۔ شوہر کے راز سے بیوی سے زیادہ کون دوسرا آگاہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک صالح بیوی کا طرزِ عمل یہ ہوگا کہ وہ اپنے شوہر کے

رازوں اور کمزوریوں کو چھپائے اور ان کی حفاظت کرے۔ اگر وہ ان کو افشاء کرتی ہے تو یہ طرزِ عمل اس کردار کے بالکل منافی ہوگا جو کتاب وسنت سے ایک صالح بیوی کا ہمارے سامنے آ چکا ہے۔

تیسری وجہ : مرد اور عورت کے باہمی شرعی تعلق میں جو عقدة النكاح (نکاح کی گرہ) ہے‘ اس میں بھی تفاوت ہے۔ اس گرہ کے باندھنے میں لازماً عورت کی مرضی شامل ہوتی ہے‘ لڑکی کا ولی اس سے اجازت لے کر آتا ہے اور نکاح پڑھانے والے کے ذریعے ایجاب (پیشکش) کرتا ہے اور لڑکا اسے قبول کرتا ہے۔ لڑکی کی اجازت کے بغیر یہ بندھن بالکل نہیں بندھ سکتا‘ یہ قانونی تشخص اس کو حاصل ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی شامل ہے کہ اگر لڑکی کنواری ہو اور اس کے سامنے نکاح کا ذکر کر دیا جائے‘ اب اگر وہ خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی اس کی رضا شمار ہوگی۔ اس کے برعکس اگر عورت ثیبّہ (مطلقہ یا بیوہ) ہے تو نکاح ثانی کے لیے اس کی زبان سے اجازت دیے بغیر رضا شمار نہ ہوگی۔ لیکن گرہ بندھ جانے کے بعد معاملہ بالکل مساوی نہیں رہا۔ اب یہ گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے‘ اسے کھول دے اور طلاق دے دے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۳۷)

”وہ (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔“

قانونی لحاظ سے مرد کو نکاح کی گرہ کھولنے اور طلاق دینے کا پورا اختیار ہے۔ حد بندی صرف اخلاقی ہے کہ اگر وہ کسی حقیقی سبب کے بغیر ایسا کرتا ہے تو یہ بہت بڑا ظلم ہے‘ جس کی اسے صرف اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی ہوگی۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ)) (سنن ابی داؤد) ”اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے“۔ قانونی اختیار کے ساتھ اخلاقی پابندی عائد کر کے معاملہ متوازن کیا گیا ہے۔ مرد نے حقیقی سبب سے طلاق دی تو ٹھیک ہے‘ لیکن اگر بلا سبب طلاق دے کر اس نے کسی خاتون کی زندگی تباہ کی تو یاد رکھے کہ اسے اللہ کے ہاں بڑا مجرم بن کر پیش ہونا ہوگا۔ البتہ بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جب چاہے نکاح کی گرہ کھول دے اور یہ رشتہ ختم کر دے‘ بلکہ اسے خلع حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ علیحدگی چاہنے کی صورت میں اسے قاضی کی عدالت میں جا کر طلاق (خُلع) کے اسباب واضح کرنا ہوں گے اور پھر قاضی خلع جاری کرے گا۔ اسلامی عدالتیں نہ ہونے کی صورت میں عورت برادری‘ قبیلے یا خاندان کے بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر ”خلع“ حاصل کر سکتی ہے‘ جیسا کہ انگریزی دور میں اور اب بھی عموماً ہوتا ہے۔ خلع کے اسباب میں عورت کو یہاں تک بھی اختیار دیا گیا ہے کہ مجرد یہ بات بھی خلع کا باعث بن سکتی ہے کہ اسے مرد (شوہر) پسند نہیں۔ یہ سب اس لیے کہ اگر میاں بیوی میں جو مؤدّت وموافقت اور مزاج کی پوری ہم آہنگی خاندانی نظام کے پُرسکون ہونے کے لیے ضروری ہے‘ اگر وہ موجود ہی نہیں تو یہ گاڑی کیسے چلے گی۔ جیسے عورت کے لیے مرد کی رغبت ضروری ہے ویسے ہی مرد کے لیے عورت کی رغبت لازم ہے۔ گویا عورت از خود نکاح کی گرہ نہیں کھول سکتی۔ اسے قاضی کی عدالت میں جانا اور مجاز ادارے کو مطمئن کرنا ہوگا کہ وہ شدتِ جذبات سے اتنا بڑا

قدم نہیں اٹھارہی بلکہ اسے حقیقی مجبوریاں اور مسائل درپیش ہیں۔ یہ بات البتہ ضرور پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ طلاق اور خلع اپنے اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں' یہ مساوی نہیں۔

اس بارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۷ پر غور کرلیں:

﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾﴾

''اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو' لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' نرمی سے کام لے (اور پورا مہر ادا کرے)۔ اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ رویہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔''

اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد خلوت میں ملاقات (خلوتِ صحیحہ) نہیں ہوئی اور مرد نے طلاق دے دی تو اس صورت میں اسے قانوناً نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اللہ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت دی ہے' اسے نظر انداز نہ کرے' بلکہ اس کی رعایت کرتے ہوئے پورا مہر ادا کرے۔ یہ طرزِ عمل تقویٰ کے قریب ترین ہے۔

مرد اور عورت میں درجے کا تفوق دنیوی معاملات میں ہے' اخروی فضیلت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ اللہ کے نزدیک فضیلت کا تمام تر مدار ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ امورِ آخرت میں ضروری نہیں کہ مردوں کا ہی درجہ عورتوں سے بلند رہے۔ حسبِ تصریح آیات و روایات بعض عورتیں اپنی طاعت و عبادت کے ذریعے بہت سے مردوں پر فائق ہو جائیں گی۔ دنیوی نظام میں عورتوں پر مردوں کا ایک گونہ تفوق اللہ کی مصلحت اور حکمت کا تقاضا ہے۔ نیک و بد عمل کی سزا و جزا اور درجات کا آخرت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آیت کے آخری حصہ میں عورتوں کے حقوق کا ذکر مردوں کے حقوق سے پہلے کیا گیا کہ ان کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں جیسے کہ ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مرد تو اپنی قوت اور تفوق کی بنا پر عورت سے اپنے حقوق وصول کر ہی لیتا ہے' فکر عورتوں کے حقوق کی ہونی چاہیے کہ وہ عادتاً اپنے حقوق زبردستی وصول نہیں کر سکتیں۔

دوسرا اشارہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں مسابقت کرنا چاہیے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ میں لفظ مثل کے ساتھ دونوں کے حقوق کی مثلیت اور مساوات کا ارشاد ہے' اس کا مطلب یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ جس طرح کے کام مرد کرے اسی طرح کے عورت بھی' یا پھر برعکس' اس لیے کہ مرد اور عورت میں تقسیم کار اور فرائض فطرتاً جدا جدا ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں کے حقوق کی ادائیگی یکساں طور پر واجب ہے اور اس میں کوتاہی اور تقصیر کی سزا بھی یکساں ہے۔ آخر میں ایک لفظ **بالمعروف** بڑھا کر آپس میں پیش آنے والے

جھگڑوں کا خاتمہ فرما دیا کہ حقوق کی ادائیگی معروف طریقے پر کی جائے۔ معروف کے معنی یہ ہیں کہ جو شرعاً بھی منکر اور ناجائز نہ ہو اور عام عادات اور عرف کے لحاظ سے بھی اس میں کوئی تشدد اور زیادتی نہ ہو۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ زوجین کے حقوق اور ان کو اذیت سے بچانے کے لیے صرف قانونی ضابطہ کی کارروائی کافی نہیں' بلکہ عام عرف اور عادت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے گا کہ اس معاملے میں دوسرے کو کوئی ضرر یا ایذاء تو نہیں پہنچتا' پھر یہ ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ مثلاً بے رخی' بے التفاتی یا ایسے افعال و حرکات جس سے دوسرے کو ایذاء اور تکلیف پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ معنی بھی بیان فرمایا ہے کہ مردوں کو اللہ نے عورتوں کے مقابلے میں بڑا درجہ دیا ہے' ایسے میں ان کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اگر عورتوں سے ان کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ اس ضمن میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَقَدْ طَافَ بَآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰٓئِكَ بِخِيَارِكُمْ))(۳۶)

''بہت سی عورتیں محمد (ﷺ) کے گھر والوں کے پاس آئیں جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں' ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾﴾

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسبب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے اور بسبب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔ پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں غیب میں حفاظت کرنے والیاں اللہ کی حفاظت سے۔ اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو پس ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے' بہت بڑا ہے۔''

اسلام میاں بیوی (زوجین) کے باہمی رشتے کو معاشرے کے استحکام کے لیے بنیاد قرار دیتا ہے اور اس کے ٹوٹنے کو صرف اسی صورت میں گوارا کرتا ہے کہ جب اصلاح کی تمام ممکن تدابیر اختیار کرنے کے بعد بھی یہ ثابت ہو جائے کہ اب اس کا جڑا رہنا ناممکن بلکہ مزید فساد کا باعث بنے گا۔

نشوز کے معنی سر اٹھانے اور اونچا ہونے کے ہیں۔ اس لفظ کا غالب استعمال ایسی سرتابی اور سرکشی کے لیے ہوتا ہے جو کسی بیوی کی طرف سے اس کے خاوند کے مقابلے میں ظاہر ہو رہی ہو۔ عورت کی ہر کوتاہی' غفلت' بے پروائی یا اپنی شخصیت' رائے اور ذوق کے قدرتی اظہار کو نشوز نہیں کہا جائے گا۔ (تدبر قرآن' جلد دوم) ناشز

اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر سے اونچا اور بلند ہونا چاہتی ہو۔ یعنی اس کے حکم کو نہ مانے‘ اس سے اعراض کرے اور اس سے بغض رکھے‘ کوئی ایسا قدم اٹھائے جو مرد کی قوامیت کو چیلنج کرنے والا اور گھر کی ریاست میں بدامنی کا باعث بنے‘ خم ٹھونک کر مرد کے مقابلے پر آ جائے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر کی اطاعت اور حق کو عورت پر فرض ٹھہرایا ہے اور اس کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل احادیث پر غور وفکر کیجیے:

(۱) ((لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا)) (۳۷)

’’اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔‘‘

(۲) ((اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ)) (۳۸)

’’جو عورت ایسی حالت میں مرگئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو (وہ) جنت میں گئی۔‘‘

(۳) ((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ اَنْ تَجِئَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ)) (۳۹)

’’جب کوئی شخص (شوہر) اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔‘‘

عورت کی طرف سے نشوز (سرکشی) کی صورت میں قرآنی حکم کے مطابق مرد تین صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔ پہلا مرحلہ نصیحت و ملامت اور زبانی سمجھانے کا ہے۔ اس کے لیے قرآن پاک میں وعظ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں زجر و توبیخ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اس سے آگے دوسرے مرحلے میں عورت سے بے تکلفانہ اختلاط ترک اور اسے خواب گاہ میں بستر سے الگ کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ کے بقول وَاهْجُرُوْهُنَّ کے معنی ہیں کہ شوہر اس (عورت) سے مباشرت نہ کرے‘ اس کے بستر پر نہ لیٹے بلکہ اس سے پیٹھ پھیر لے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت اور حضرت عکرمہ اور ضحاک سے مروی ہے کہ اس (عورت) کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے۔

اسی طرح ’’فِي الْمَضَاجِعِ‘‘ سے مراد فقہائے کرام نے یہ لیا ہے کہ جدائی صرف بستر میں ہو‘ مکان کی جدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے۔ عورت (بیوی) کے حق کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ’’جب کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ‘ پہنو یا حاصل کرو تو اسے بھی پہناؤ‘ چہرے پر نہ مارو‘ گالی نہ دو اور ترک نہ کرو مگر گھر میں ہی‘‘۔ (سنن ابی داؤد‘ سنن ابن ماجہ)

اب بھی اگر اصلاح نہیں ہو پا رہی تو پھر تیسرا اور آخری مرحلہ ’’وَاضْرِبُوْهُنَّ‘‘ جسمانی سزا اور تادیب کا ہے۔ لیکن اس کی حد بھی حدیث میں متعین کر دی گئی کہ نہ تو چوٹ زیادہ لگنے سے عورت کی کوئی ہڈی ٹوٹے اور نہ ہی اس کے جسم پر کوئی نشان پڑے۔ حضور پاک ﷺ سے یہ فعل بالکل ثابت نہیں۔ اس کے ساتھ حضور ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ((وَلَنْ يَضْرِبَ خِيَارُكُمْ)) (۴۰) ’’اچھے مرد مارنے کی سزا عورتوں کو نہ دیں گے۔‘‘

حضرت حسن بصریؒ کے قول کے مطابق ایسی مار جس سے (جسم پر) نشان نہ پڑے اور تفسیر عثمانی میں ہے

کہ اس آیت میں اس حالت کا ذکر ہے کہ جب سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ ایسے میں مرد قصور کے مطابق اسے مارے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ہی ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی نہ رہ جائے۔ بعض تفاسیر کے مطابق مسواک وغیرہ سے مارے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

مرد کے تادیبی اختیار کی اس آخری حد کے بعد اگر عورت بغاوت کی بجائے اطاعت کی راہ پر آ جائے تو پھر مرد کو پچھلی تمام کدورتیں بھول جانی چاہئیں اور بدلہ و انتقام کے بہانے نہیں ڈھونڈنے چاہئیں۔ جب ذاتِ باری تعالیٰ ہمارے نشوز سے درگزر فرماتی ہے اور توبہ کے بعد ہمارے گناہوں کو معاف کر دیتی ہے تو پھر اس کے بندوں کو بھی چاہیے کہ اپنی حدود کو نہ پھلانگیں اور اللہ کی ناراضگی کو دعوت نہ دیں۔

آگے سورۃ النساء میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ۝۳۵﴾

''اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے۔ اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔''

اس آیت میں اس چیز کی وضاحت ہے کہ مندرجہ بالا تینوں مراحل گزرنے کے بعد بھی باہمی خلجان دور نہیں ہو رہا اور کشیدگی بڑھتی چلی جا رہی ہے تو اب بھی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد طلاق دے کر عورت سے پیچھا چھڑا لے۔ اب ایک دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہوئے فقہاء کا کہنا ہے کہ حاکم (قاضی) انہیں (زوجین کو) کسی ایسے قابلِ اعتماد دیندار شخص کے پاس رکھے جو ان کے طرزِ عمل کا جائزہ لیتا رہے اور زیادتی کرنے والے کو اس کی زیادتی سے باز رکھے۔ اس کے باوجود بھی میاں بیوی کا باہمی لڑائی جھگڑا طول اختیار کرتا جا رہا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بقول اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ (حاکم / قاضی) ایک نیک شخص مرد کے خاندان سے اور ایک نیک شخص عورت کے خاندان میں سے مقرر کر دے۔ وہ دونوں جائزہ لیں کہ ان میں سے برا کون ہے؟ اگر مرد برا ہے تو عورت کو اس سے روک لیں اور اسے (مرد کو) نفقہ ادا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر عورت بری ہو تو اسے شوہر کے پاس ہی رہنے دیں اور نفقہ سے روک دیں۔ علیحدگی یا صلح میں سے جس بات پر بھی ان کی رائے متفق ہو تو دونوں طرح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آج کل کے حالات میں اس بات کی گنجائش بھی ہے کہ میاں بیوی کے خاندان یا رشتہ داروں میں سے آگے بڑھ کر دونوں طرف سے ایک ایک حَکَم (منصف) مقرر کر دیں جو اصلاح کے لیے کوشاں ہوں۔

علامہ ابوعمر ابن عبدالبر نے ''الاستذکار'' میں علماء کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ دونوں منصفوں (حَکَمین) میں جب اختلاف ہو تو پھر ان میں سے کسی کے قول کا اعتبار نہیں۔ نیز یہ کہ صلح کی صورت میں ان کا

فیصلہ نافذ ہوگا‘ خواہ میاں بیوی نے انہیں نہ بھی مقرر کیا ہو۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر انہوں نے باہمی جدائی کا فیصلہ کیا تو کیا پھر بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں۔

اس ضمن میں علامہ نے جمہور کا یہی قول بیان کیا ہے کہ تفریق کی صورت میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ حضرات فقہاء کا قول ہے کہ باہمی صلح صفائی کے لیے دو حَکَمین کی تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں تک ہی محدود نہیں‘ بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے‘ خاص طور پر جبکہ جھگڑا کرنے والے باہمی عزیز اور رشتہ دار ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاضیوں کے لیے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ رشتہ داروں کے مقدمات کو انہی میں واپس کر دو تاکہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکالیں۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ وعداوت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ (معین الحکام)

﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا ؕ﴾ سے مراد متقدمین نے تو حَکَمین لیے ہیں‘ لیکن متاخرین میں سے اکثر کے نزدیک میاں بیوی بھی مراد ہو سکتے ہیں‘ یعنی اگر وہ اپنی ضد چھوڑ کر اصلاحِ احوال کے طالب ہوں گے تو وہ ذاتِ بابرکات بھی ان میں سازگاری پیدا کر دے گی۔ گویا میاں بیوی کو تشویق وترغیب ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور افتراق کی بجائے سازگاری کے لیے کوشاں ہوں۔

آیت کے آخر میں علیم وخبیر کے حوالے سے ہر ایک کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ عزوجل خوب جانتا ہے کہ اس قضیے میں کس کا کیا کردار ہے اور اسی کے مطابق وہ آخرت میں اس سے معاملہ کرے گا۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) سنن النسائی‘ کتاب عشرۃ النساء‘ باب حب النساء۔

(۲) سنن ابن ماجہ‘ کتاب الادب‘ باب حق الیتیم۔

(۳) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب من احق الناس بحسن الصحبۃ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب البر والصلۃ والآداب‘ باب بر الوالدین وانھما احق بہ۔

(٤) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الاقضیۃ‘ باب النھی عن کثرۃ المسائل......

(۵) مختصر المقاصد للزرقانی‘ ح:٣٤٨۔ ضعیف الجامع الصغیر للالبانی، ح:٢٦٦٦۔

(٦) سنن النسائی‘ کتاب الجھاد‘ باب الرخصۃ فی التخلف لمن لہ والدۃ۔

(۷) مسند احمد‘ کتاب اول مسند الکوفیین‘ باب حدیث المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ۔

(۸) سنن الترمذی‘ ابواب البر والصلۃ‘ باب ما جاء فی بر الخالۃ۔

(۹) سنن الترمذی‘ ابواب الطھارۃ‘ ح:١٠٥۔ سنن ابی داوٗد‘ کتاب الطھارۃ‘ ح:٢٠٤۔

(١٠) سنن الترمذی‘ ابواب الزکاۃ‘ باب ما جاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ۔

(١١) سنن النسائی‘ کتاب الزکاۃ‘ باب ایتھا الید العلیا‘ وصححہ ابن حبان‘ والدارقطنی۔

(١٢) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما۔

(١٣) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی النفقة علی البنات والاخوات۔

(١٤) مسند احمد، کتاب باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالکؓ۔

(١٥) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اثم القاطع۔

(١٦) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الاحسان الی البنات۔

(١٧) ایضاً۔

(١٨) رواہ فی شرح السُنّة۔

(١٩) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما۔

(٢٠) سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب بر الوالد والاحسان الی البنات۔

(٢١) مسند احمد، کتاب ومن مسند بنی هاشم، باب باقی المسند السابق۔ ح ٣٢٤٩۔

(٢٢) مسند احمد، کتاب مسند الشامیین، باب حدیث سراقة بن مالك بن جعشم، ح ١٦٩٢٥۔

(٢٣) صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔

(٢٤) سنن الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علیٰ زوجها۔

(٢٥) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبیﷺ۔

(٢٦) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حج النبیﷺ۔

(٢٧) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها۔

(٢٨) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب حق الضیف فی الصوم۔ ومتعدد مقامات۔

(٢٩) صحیح مسلم، ح:١٤٦٩۔ راوی : ابوهریرهؓ

(٣٠) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الاسلام العادل......

(٣١) ایضاً۔

(٣٢) صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب الفتنة الی تموج کموج البحر۔

(٣٣) سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء۔

(٣٤) سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء۔

(٣٥) سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاة، باب فی حقوق المال۔

(٣٦) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء۔

(٣٧) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة۔

(٣٨) ایضاً۔

(٣٩) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها۔

(٤٠) سنن الکبریٰ للبیهقی، ٣٠٤/٧ و مصنف ابن ابی شیبة، ٣٦٨/٨۔